31

لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے لیے لاہور میں اپنے ہائی اسکول قائم کرنے چاہییں تا اُن کی تربیت اچھے ماحول میں ہو

(فرمودہ 23 ستمبر 1949ء بمقام لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں اپنے اکثر حصہ خاندان کو ربوہ چھوڑ کر اُمِّ متین کی بیماری کی وجہ سے پھر لاہور آیا ہوں۔ اُمِّ متین کے متعلق ڈاکٹروں نے مشورہ دیا ہے کہ انہیں فوراً ہسپتال میں داخل کروا دیا جائے۔ چنانچہ ابھی جس وقت میں اِدھر آ رہا تھا میں یہ ہدایت دے کر آیا ہوں کہ انہیں ہسپتال پہنچا دیا جائے۔ میری طبیعت آج خود بھی ناساز ہے۔ تین چار دن سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بخار کی حرارت ہوتی ہے۔ بخار ایسا نمایاں تو نہیں مگر بعض دفعہ پیاس اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ ایک ایک گھنٹہ میں کئی کئی بار پانی پینا پڑتا ہے اس لیے میں زیادہ لمبا خطبہ نہیں پڑھ سکتا۔ اگلے خطبہ کے متعلق میری کوشش یہی ہوگی کہ اگر کوئی خاص روک پیدا نہ ہو جائے تو میں ربوہ میں پڑھاؤں۔ اگر اُس وقت تک اُمِّ متین کی طبیعت اچھی ہوگئی تو پھر مستقل طور پر میں وہیں رہوں گا ورنہ اگلے سے اگلا خطبہ پھر مجھے یہیں پڑھانا پڑے گا۔

لاہور کے قیام میں مَیں نے لاہور کی جماعت کی حالت کے متعلق بہت کچھ غور کیا ہے اور

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بعض طبعی مشکلات جماعت لاہور کے راستہ میں ایسی ہیں جن پر قابو پانا یہاں کے کارکنوں کے بس کی بات نہیں۔ دنیا میں روحانی مضبوطی کے دو ہی سبب ہوتے ہیں اور جب میں نے کہا ہے کہ دنیا میں اس مضبوطی کے دو سبب ہوتے ہیں تو میری مراد یہ ہے کہ اس کے دنیوی اسباب دو ہیں۔ روحانی اسباب مُراد نہیں۔ اور وہ دنیوی سبب روحانی مضبوطی کے یہ ہیں کہ ایک تو صادقوں کی معیّت کبھی انسان کو نصیب ہو جائے۔ جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ 1 تم صادقوں کی معیت اختیار کرو۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا ماحول اچھا ہو تو باوجود اس کے کہ کسی انسان کا ایمان زیادہ مضبوط نہ ہو پھر بھی وہ ماحول سے متأثر ہو کر ایمان میں ترقی کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ لاہور میں اچھا ماحول یہاں کی جماعت اور اِس کی اولاد کو میسّر نہیں۔ کیونکہ یہاں سترہ لاکھ کی آبادی ہے۔ اگر لاہور کی جماعت کے تمام مرد، عورتیں اور بچے ملا لیے جائیں تو اُن کی تعداد چار ہزار کے قریب بنتی ہے۔ گویا سَو کے مقابلہ میں ایک نہیں بلکہ قریباً ساڑھے چار سَو افراد کے مقابلہ میں ایک کی نسبت اُن کو حاصل ہے۔ اور ساڑھے چار سَو میں ہمارے ایک آدمی کا ہونا اسے ماحول سے اتنا دور کر دیتا ہے کہ اچھے ماحول سے جس فائدہ کی اُمید کی جاسکتی ہے وہ اُسے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے جو نئی پَود نکلتی ہے وہ لازمی طور پر اُن تأثرات کو زیادہ قبول کرتی ہے جو غیر اُس پر ڈالتے ہیں۔ اور جب کسی گھر میں اختلاف واقع ہو جائے، پُرانی پَود مسجدوں کی طرف جائے اور نئی پَود سینما کی طرف جائے پُرانی پَود ذکرِ الٰہی کی طرف جائے اور نئی پَود لغو باتوں اور ہنسی کھیل اور مذاق کی طرف جائے تو ظاہر ہے کہ گھر میں یکجہتی باقی نہیں رہے گی اور اُس کی جدوجہد ایک جہت کی طرف رُخ نہیں کرے گی۔

ماحول کے بعد دوسری چیز مخالفت ہوتی ہے۔ جب ماحول اچھا نہیں ہوتا تو مخالفت ماحول کا کام دے جاتی ہے۔ لوگ گالیاں دیتے ہیں، مارتے پیٹتے ہیں، ہنسی مذاق کرتے ہیں تو ان کی مار پیٹ کی وجہ سے بجائے اِس کے کہ کمزوری پیدا ہو لوگوں کا ایمان اَور بھی بڑھتا اور ترقی کرتا ہے۔ یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ اپنے اندر بہادری کی روح رکھتا ہے۔ بیشک کچھ لوگ بزدل بھی ہوتے ہیں لیکن اکثر لوگ اپنے اندر بہادری رکھتے ہیں۔ جب انہیں مار پیٹ شروع ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں اچھا جو تمہاری مرضی ہے کرلو ہم اپنے مذہب کو چھوڑنے کے لیے ہرگز تیار نہیں اور اس طرح وہ اپنے

ایمانوں میں پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ پس مخالفت کی شدت کی وجہ سے بھی ایمان مضبوط ہوتے ہیں۔ لیکن اب احمدیت کو قائم ہوئے اتنا لمبا عرصہ گزر چکا ہے کہ گو ہم یہ جانتے ہیں کہ اندرونی طور پر لوگوں کے دلوں میں احمدیت کی نسبت بُغض پایا جاتا ہے مگر وہ نظارہ جو پہلے نظر آتا تھا کہ احمدیوں پر تالیاں پِٹ رہی ہیں، گالیاں دی جا رہی ہیں، پتھر پھینکے جا رہے ہیں وہ نظارہ اب نظر نہیں آتا۔ یہی لاہور جس میں ظاہری طور پر احمدیت کی کسی قسم کی مخالفت نظر نہیں آتی گو باطنی طور پر مخالفت موجود ہے بلکہ پہلے سے بھی بڑھی ہوئی ہے اسی لاہور میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پتھر پڑتے دیکھے ہیں۔ اسی لاہور میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر لوگوں کو ہنسی مذاق کرتے اور گالیاں دیتے دیکھا ہے۔

مجھے خوب یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ملتان تشریف لے گئے تو میں بھی آپ کے ساتھ گیا۔ مجھے ملتان کی تو کوئی بات یاد نہیں۔ لیکن واپسی پر جب آپ لاہور ٹھہرے تو اُس وقت کا نظارہ اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میری عمر اُس وقت آٹھ نو سال یا اس سے بھی کچھ کم تھی۔ ملتان سے واپسی پر آپ ایک دن کے لیے یہاں ٹھہرے۔ اُن دنوں میاں فیملی کا گھر فصیل سے باہر نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ وہ غالباً واٹر ورکس کے مقابل پر شہر کے اندرون کے حصہ میں رہا کرتے تھے۔ اُس روز میاں فیملی میں سے کسی دوست نے میاں چراغ دین صاحب یا میاں معراج دین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کی۔ سنہری مسجد کے پاس اُن کے مکان کو رستہ جاتا تھا۔ اُس وقت لاہور کی حالت موجودہ حالت سے بالکل مختلف تھی۔ اب تو لنڈا بازار اور بیرون دلّی دروازہ سب آباد نظر آتا ہے لیکن اُن دنوں یہ سب غیر آباد علاقہ تھا۔ صرف لنڈے بازار میں چند دکانیں تھیں مگر وہ بھی بہت معمولی سی۔ باقی سارا علاقہ خالی اور غیر آباد پڑا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس جگہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو سنہری مسجد یا وزیر خان کی مسجد (یہ مجھے یاد نہیں رہا) ان دونوں میں سے کسی ایک مسجد کے قریب بہت سے لوگ جمع تھے۔ انہیں یہ پتا لگ چکا تھا کہ مرزا صاحب اس طرف گئے ہیں اور تھوڑی دیر میں ہی وہ واپس آنے والے ہیں۔ اُن دنوں سواری کے لیے شِکرمیں ہوا کرتی تھیں۔ یہ ایک چار پہیے کی گاڑی ہوا کرتی تھی جس پر لکڑی کا ایک کمرہ سا بنا ہوا ہوتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شکرم میں بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ شکرم میں آپ کے

آگے پیچھے تھیں۔ میں بھی اُس شکرم میں تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف رکھتے تھے۔ جس وقت گاڑی وہاں پہنچی لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں غالباً مولویوں نے چیلنج دیا ہوگا کہ مرزا صاحب یہاں آئے ہیں تو ہم سے مباحثہ کر لیں۔ وہ جانتے تھے کہ اس بے موقع آواز کا جواب چونکہ یہی ہوگا کہ ہم مباحثہ نہیں کر سکتے اس لیے ہم لوگوں میں شور مچا دیں گے کہ مرزا صاحب ہار گئے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ جب آپ کی شکرم وہاں پہنچی تو لوگوں نے آوازے کسے اور یہ کہنا شروع کیا کہ مرزا صاحب ہار گئے۔ غالباً انہوں نے یہی کہا ہوگا کہ ہم سے مباحثہ کر لیں اور چونکہ مباحثہ کا یہ کوئی طریق نہیں ہوتا کہ جہاں کوئی شخص مباحثہ کے لیے کہے وہیں اُس سے مباحثہ شروع کر دیا جائے اسی لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکار کیا ہوگا اور انہوں نے یہ سوچا ہوگا کہ جب گاڑیاں یہاں سے گزریں گی ہم شور مچا دیں گے کہ مرزا صاحب بھاگ گئے ہیں۔ اس مسجد کے آگے اونچی سیڑھیاں ہیں۔ سات آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر مسجد کا دروازہ آتا ہے۔ ان سیڑھیوں پر بہت سا ہجوم تھا۔ جو لوگ لاہور کے واقف ہیں وہ شاید سیڑھیوں کے ذکر سے سمجھ جائیں کہ یہ کونسی مسجد ہے سنہری مسجد یا وزیر خاں کی مسجد۔"

اسی موقع پر بعض دوستوں نے عرض کیا کہ ایسی سیڑھیاں سنہری مسجد کے آگے ہیں۔

"سینکڑوں لوگوں کا ہجوم وہاں جمع تھا اور یہ شور مچا رہا تھا کہ مرزا ہار گیا مرزا دوڑ گیا۔ اس طرح کوئی ہُو ہُو کر رہا تھا کوئی تالیاں پیٹ رہا تھا، کوئی گالیاں دے رہا تھا بلکہ بعض نے کنکر مارنے بھی شروع کر دیئے۔ اس ہجوم سے آگے ذرا فاصلے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دلّی دروازہ کے باہر کیونکہ میرے ذہن پر یہی اثر ہے کہ جس جگہ کا یہ واقعہ ہے وہاں جگہ خالی تھی اور عمارتیں تھوڑی سی تھیں میں نے دیکھا کہ ایک شخص ممبر پر یا درخت کی ایک ٹہنی پر بیٹھا ہے۔ اُس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے اور زرد زرد پٹیاں اُس نے باندھی ہوئی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے کوئی زخم ہے اور اس نے ہلدی اور تیل وغیرہ ملا کر پٹیاں باندھی ہوئی ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں سے گزرے تو وہ اپنا ٹُنڈ دوسرے ہاتھ پر مار مار کر کہتا تھا کہ مرزا دوڑ گیا مرزا دوڑ گیا۔ بچپن کے لحاظ سے مجھے یہ ایک عجیب بات معلوم ہوئی کہ اس کا ایک ہاتھ ہے نہیں صرف ٹُنڈ ہی ٹُنڈ ہے مگر یہ اپنا ٹُنڈ مار مار کر بھی یہی کہہ رہا ہے کہ مرزا دوڑ گیا مرزا دوڑ گیا۔ ایک اور مولوی ہوا کرتا تھا جو "ٹاہلی[2] والا مولوی" کہلاتا تھا۔ اُس کی عادت

تھی کہ وہ ہمیشہ درخت پر بیٹھ کر گالیاں دیا کرتا تھا۔غرض لاہور میں یا تو مخالفت کی یہ حالت ہوا کرتی تھی اور یا اَب اندرونی طور پر چاہے کیسی ہی مخالفت ہو ہم ان کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ ادب سے سلام بھی کرتے ہیں اور ہماری باتوں کی طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ میں یہیں لاہور میں آیا۔ یہ آج سے پندرہ سولہ سال پہلے کی بات ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کے متعلق یہاں جلسہ تھا اور چونکہ میں بھی آیا ہوا تھا اس لیے جماعت نے خواہش کی کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک تقریر کروں اور اس غرض کے لیے انہوں نے بریڈلا ہال تجویز کیا۔ جب میری اس تقریر کا لوگوں میں اعلان ہوا تو ''زمیندار'' نے شور مچانا شروع کر دیا کہ ان لوگوں کا حق ہی کیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لیں۔ یہ تو آپؐ کے دشمن ہیں۔بعض نے مجھے کہا کہ ''زمیندار'' اِس اِس طرح مخالفت کر رہا ہے ایسا نہ ہو کہ لوگ اس جلسہ میں کم آئیں۔ میں نے کہا لاہور والوں پر میری تقریروں کا اتنا اثر ہو چکا ہے کہ وہ ''زمیندار'' کی مخالفت کے باوجود میری تقریر سننے کے لیے ضرور آ جائیں گے۔انہیں میری تقریروں کا چسکا پڑ چکا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب میں پہنچا تو ہال بالکل بھرا ہوا تھا۔اس جلسہ میں شرارت کی غرض سے بعض شخص ان کے بھی آ گئے اور جلسہ کے باہر چودھری اسداللہ خاں صاحب سے بعض لوگوں کی لڑائی بھی ہوئی لیکن بہرحال جلسہ میں جو لوگ آئے ان میں سے اکثر ایسے تھے جو صرف تقریر سننے کے لیے آئے تھے۔ایک شخص جو مولوی ٹائپ کا تھا بریڈلا ہال میں کرسیوں کی آخری لائن میں آ کر بیٹھ گیا۔ جب میں نے تقریر شروع کی تو اُس نے فوراً کھڑے ہو کر ''زمیندار'' کے اثر کے ماتحت یہ الفاظ کہے کہ ''اینی وڈی پگڑی بنھی ہوئی ہے پر عقل ذرا بھی نہیں'' (یعنی پگڑی تو اتنی بڑی باندھی ہوئی ہے مگر عقل بالکل نہیں)۔میں نے کہا صاحب بیٹھ جایئے۔ جب میں بات کروں گا تب آپ کو پتا لگے گا کہ میرے اندر عقل ہے یا نہیں۔ابھی میں نے کوئی بات ہی نہیں کی تو آپ کو پتا کیسے لگ گیا کہ میں بے عقلی کی بات کروں گا۔میرے اس جواب سے وہ ایسا مرعوب ہوا کہ بیٹھ گیا۔اس کے بعد ساری تقریر میں مَیں انتظار کرتا رہا کہ وہ کچھ بولے مگر وہ ایسا محو ہوا ایسا محو ہوا کہ ایک احمدی دوست نے جو اس کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے بتایا کہ جب تقریر ختم ہوگئی تو وہ کہنے لگا بس اِتنی ہی تقریر تھی؟ ہمیں تو امید تھی کہ یہ تقریر کچھ دیر اَور بھی جاری رہے گی۔اب کُجا تو مخالفت کی وہ حالت تھی اور کُجا یہ حالت ہے کہ تقریر ختم ہو

جاتی ہے مگر وہ چاہتا ہے کہ یہ تقریر کچھ دیر اَور جاری رہتی۔

بہرحال ظاہری مخالفت کا اب وہ دَور نہیں رہا جو پہلے ہوا کرتا تھا۔ اس لیے گالیوں اور مار پیٹ اور ہنسی مذاق کی وجہ سے نوجوانوں کے دلوں میں اپنے دین کے متعلق جو جوش پیدا ہوا کرتا ہے وہ بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ دو ہی دنیوی سبب ہوا کرتے ہیں جن کی وجہ سے نئی پَود میں ایمان کی مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ مگر اب لاہور میں ظاہری مخالفت بھی نہیں اور نئی پَود کو وہ ماحول بھی میسر نہیں جو اُسے ایمان میں مضبوط بنا سکے۔ جب بچہ گھر سے نکلتا ہے تو احمدیت کا ماحول اس کے لیے ختم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اکیلا ہوتا ہے اور اس کے اردگرد چار سُو غیر لڑکے موجود ہوتے ہیں جو اُس پر اپنا اثر ڈال رہے ہوتے ہیں۔ ہم اپنے بچہ سے کہتے ہیں سینما نہیں دیکھنا مگر ہمارے غیر کا بچہ جو اُس کا دوست اور ساتھی ہوتا ہے سینما دیکھ کر آیا ہوا ہوتا ہے بلکہ سینما کے گانے اسے یاد ہوتے ہیں۔ جب وہ سُر تال کے ماتحت فلمی اشعار گاتا ہے تو اس کے کان میں بھی پہلے تو شعروں کی آواز آتی ہے پھر متوازن الفاظ کی وجہ سے ان کی طرف اس کی طبیعت اَور زیادہ مائل ہوتی ہے اور یہ کان لگا کر اُن شعروں کو سننا شروع کر دیتا ہے۔ پھر بچپن میں نقل کی بھی عادت ہوتی ہے۔ جب وہ دوسرے کو لَے کے ساتھ بعض اشعار پڑھتے سنتا ہے تو اس کی نقل میں خود بھی وہی شعر گنگنانے لگ جاتا ہے اور ماں باپ کا سارا اثر باطل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرض کرو اُس کی آواز دوسرے لڑکے کی آواز سے زیادہ اچھی ہے تو دوسرا لڑکا جھٹ اُس سے دوستی لگالے گا اور کہے گا آؤ ہم دونوں مل کر گائیں۔ پھر کچھ دنوں کے بعد وہ کہے گا چلو! سینما دیکھ آئیں۔ یہ کہے گا میرے ماں باپ تو سینما دیکھنے سے منع کرتے ہیں۔ وہ کہے گا اُن کو کس نے بتانا ہے کہ تم سینما دیکھ کر آئے ہو۔ کسی فرشتے نے بتانا ہے۔ چلو! ہم چوری چھپے سینما دیکھ آتے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی سینما دیکھنے لگ جاتا ہے اور ماں باپ کی ساری کوششیں اَکارت چلی جاتی ہیں۔

غرض احمدیت جس ماحول کا تقاضا کرتی ہے اُس کو قائم رکھنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو ہم نہیں کر سکتے کہ دروازہ بند کر لیں اور اپنے بچوں کو گھروں سے باہر نہ نکلنے دیں۔ اگر اس طرح کیا جائے تو بچہ بالکل کمزور ہو جاتا ہے اور وہ شیطانی حملوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ تجربہ کیا گیا ہے کہ جن بچوں کو بیرونی ماحول سے بالکل بچانے کی کوشش کی جاتی ہے وہ بیرونی اثرات کا بہت جلد شکار ہو جاتے ہیں۔ قادیان سے آنے کے بعد ہی ہم نے دیکھا ہے کہ بعض ایسے ایسے گھرانے جنہوں نے

وہاں کبھی سینما نہیں دیکھا تھا، جن کی لڑکیاں کبھی بے پردنہیں پھری تھیں وہ اب سینما دیکھتے ہیں اور ان کی عورتیں بے پرد سائیکلوں پر دوڑتی پھرتی ہیں۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایسی عورتیں ہزار میں سے ایک کی نسبت رکھتی ہیں لیکن بہرحال شیطان کو ہزار میں سے ایک عورت تو مل گئی۔اس کی وجہ یہی تھی کہ وہاں وہ ایسے ماحول میں تھیں کہ انہیں اس رنگ میں شیطان کا مقابلہ کرنے کا موقع نہیں ملا اور چونکہ ان کو شیطان کا مقابلہ کرنے کی عادت نہیں تھی اس لیے انہوں نے یہاں آتے ہی ہتھیار پھینک دیئے اور اس رَو میں بہہ گئیں جس رَو میں دوسرے لوگ بہے جا رہے ہیں۔ بہرحال یہ دو چیزیں یہاں نہیں جن کی وجہ سے کسی جماعت کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔اب یا تو لاہور شہر میں احمدیت اتنی مضبوط ہو جائے کہ نصف لوگ ایک طرف ہو جائیں اور نصف دوسری طرف۔ اگر ایک طرف کسی مسئلہ کے خلاف بولنے والے لوگ موجود ہوں تو دوسری طرف اس کی تائید کرنے والے لوگ موجود ہوں، اگر ایک طرف سینما دیکھنے کی تائید کرنے والے ہوں تو دوسری طرف سینما سے روکنے والے ہوں، ایک طرف ناچنے گانے کی تائید کرنے والے ہوں تو دوسری طرف ناچنے گانے سے روکنے والے ہوں، ایک طرف نماز پڑھنے سے روکنے والے ہوں تو دوسری طرف نماز پڑھنے کی تائید کرنے والے ہوں،ایک طرف روزہ کی مخالفت کرنے والے ہوں تو دوسری طرف روزہ کے فوائد بتانے والے ہوں تب بیشک متوازی آوازیں اُٹھیں گی اور ماحول کے بُرے اثرات سے انسان محفوظ رہ سکے گا۔اور یا پھر دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مخالفت شروع ہو جائے، لوگ گالیاں دینے لگیں اور مار پیٹ پر اُتر آئیں۔ اگر لوگ گالیاں دینے لگیں تب بھی ان کے ایمان مضبوط ہو جائیں گے۔ کیونکہ جب کوئی نوجوان یہ دیکھے گا کہ میرے ماں باپ کو محض اس لیے گالیاں دی جاتی ہیں کہ وہ احمدی ہیں اُس کی غیرت جوش میں آئے گی اور وہ کہے گا کہ اَب میں بھی لوگوں کو احمدی بن کر دکھاؤں گا اور ان کا مقابلہ کروں گا۔ مگر یہ صورت ہمارے اختیار میں نہیں۔اب صرف یہی صورت ہوسکتی ہے کہ دینی ترقی کے لیے ایک نیا ماحول تیار کیا جائے۔ جب کسی محلّہ میں ہم اپنا ماحول پیدا نہیں کر سکتے تو ہمارا فرض ہوتا ہے کہ ہم محلّہ سے باہر نکل کر اپنا ماحول بنانے کی کوشش کریں۔ اور محلّہ سے باہر دوسرا ماحول صرف اسکول کے ذریعہ ہی پیدا کیا جا سکتا ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسکول ایک محدود چیز ہے مگر اسکول میں تمام قسم کے ہم عمر بچے اکٹھے ہوتے ہیں۔امیر اور غریب، ادنیٰ اور اعلیٰ سب ایک جگہ موجود ہوتے ہیں اور یہ ایک قدرتی بات ہے

کہ بچہ اپنے ہم عمروں سے ہی دوستی رکھ سکتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک بچہ ستّر اسّی سال کے بڈھے سے دوستی لگالے۔ آٹھ دس سال کا بچہ کوشش کرے گا کہ چھ سات سال یا گیارہ بارہ سال کے لڑکے سے دوستی لگائے اور اس کے ساتھ مل جُل کر باتیں کرے کیونکہ انسان طبعًا اپنے منشا کے مطابق باتیں کرنے میں زیادہ لذّت محسوس کرتا ہے اور اس قسم کی باتیں ہم عمروں سے ہی ہوسکتی ہیں جو زیادہ تر اسکول میں میسر آتے ہیں۔ پس گو بظاہر وہ ایک چھوٹی سی جگہ ہوتی ہے مگر سارا شہر اس میں جمع ہوتا ہے اور اس وجہ سے وہ ایک نیا ماحول پیدا کرنے کی بہترین جگہ ہوتی ہے۔ اگر کوئی ایسا اسکول کسی جماعت کے قبضہ میں آجائے جس میں شہر کے تمام لڑکے تعلیم حاصل کرتے ہوں تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تمام شہر اس کے قبضہ میں ہے اور اگر محلّہ کے سکول میں اثر پیدا کرلیا جائے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ سارا محلّہ زیرِ اثر آ گیا ہے۔

لاہور کے حالات پر غور کر کے میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے اور اس کی طرف میں نے ایک دفعہ پہلے بھی توجہ دلائی تھی کہ یہاں لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک ہائی اِسکول قائم ہونا نہایت ضروری ہے۔ اگر تم احمدیت سے محبت رکھتے ہو، اگر تمہارا دل چاہتا ہے کہ تمہاری آئندہ اولاد بھی احمدی ہو تو میں آج تمہیں پھر توجہ دلاتا ہوں کہ تم لاہور میں لڑکوں اور لڑکیوں کے ہائی اسکول قائم کرو۔ تمہارا خود احمدی ہونا تمہارے لیے ہرگز کافی نہیں۔ اگر احمدیت ایک اچھی چیز ہے تو ضروری ہے کہ اپنی اولادوں کو بھی احمدی بناؤ۔ اور اولاد کا احمدی ہونا اور اُس کا احمدیت کی تعلیم پر عمل کرنا ایک اچھے ماحول کا تقاضا کرتا ہے اور یہ ماحول صرف اپنے اسکول میں اسے حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لیے اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو تم لاہور میں لڑکوں اور لڑکیوں کے ہائی اسکول قائم کرو۔ ان اسکولوں سے ہماری تبلیغ میں بھی ترقی ہوگی اور لڑکوں کی تربیت بھی اچھے ماحول میں ہوسکے گی۔ یہ ظاہر ہے کہ ان اسکولوں میں ہماری جماعت کے لڑکے ہی داخل نہیں ہوں گے بلکہ دوسرے لڑکے بھی آئیں گے۔ اور جب وہ آئیں گے تو لازمی طور پر بعض اچھے اچھے خاندانوں میں جن میں یوں تبلیغ کا کوئی موقع نہیں مل سکتا ہماری تبلیغ کا رستہ کھل جائے گا اور ان میں سے کئی احمدیت کو قبول کرلیں گے۔ کالج ہی کو دیکھ لو ہمارا کالج یہاں اتفاقی طور پر کھلا ہے۔ مگر کل ہی پرنسپل کی رپورٹ آئی کہ اس دفعہ تیس فیصدی غیر احمدی لڑکے داخل ہوئے ہیں۔ اِسی طرح ایک بڑے غیر احمدی رئیس کے چچا کا بیٹا پچھلے سال ہمارے کالج میں داخل ہوا۔ اب وہ مجھ سے

ملنے کے لیے آیا تو اس نے کہا میں احمدی ہونا چاہتا ہوں۔ پس اسکول قائم کرنے کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ ہماری تبلیغ وسیع ہوگی۔

دوسری یہ لازمی بات ہے کہ جب تک لوگوں کے دلوں میں تعصب موجود ہے ان کی اکثریت ہمارے اسکول میں نہیں آئے گی بلکہ ہمارے اسکول میں زیادہ تر تعداد اپنے لڑکوں کی ہی ہوگی۔ اور چونکہ غیر احمدی تھوڑے ہوں گے اور زیادہ تر اپنے لڑکے ہوں گے اس لیے بہرحال احمدی ماحول قائم رہے گا اور زیادہ تر دوسرے لڑکے ہمارے لڑکوں کا اثر قبول کر کے نیک بنیں گے۔ ہمارے لڑکے بوجہ زیادہ ہونے کے ان کے کھیل تماشے کے اثر کو کم قبول کریں گے اور احمدیت کے ماحول کی وجہ سے دین سے محبت اور تعلق کو زیادہ مضبوط کرتے چلے جائیں گے۔ گویا فضا کو اپنے موافق بنانا ہمارے ہاتھ میں ہوگا اور ہم بچوں کی تربیت دینی رنگ میں نہایت آسانی سے کر سکیں گے۔ اور اگر کوئی وقت ایسا آ گیا کہ زیادہ تر غیر احمدی لڑکوں نے ہمارے سکول میں داخل ہونا شروع کر دیا تو اِس کے معنے یہ ہوں گے کہ ہماری مخالفت کی فضا موافقت میں بدل رہی ہے اور لوگوں کے قلوب ہماری طرف مائل ہو رہے ہیں اور جب وہ اَور زیادہ مائل ہو گئے تو لازماً وہ احمدیت قبول کر لیں گے۔ اِس صورت میں بھی فضا کو اپنے موافق بنانا ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ بہرحال لاہور جیسے شہر میں جو کئی میلوں میں پھیلا ہوا ہے بغیر کسی مناسب سکیم اور طریق کے کام نہیں ہو سکتا۔

میں نے شروع میں یہاں کی جماعت کو بعض دفعہ ملامتیں بھی کی ہیں۔ بعض دفعہ انہیں نقائص کی طرف توجہ بھی دلائی ہے مگر جیسا کہ ایک خطبہ میں مَیں نے کہا تھا میں غور کر رہا تھا کہ آخر ان نقائص اور کمزوریوں کی وجہ کیا ہے؟ انفرادی طور پر جماعت میں مخلص لوگ موجود ہیں مگر جماعتی طور پر ان میں بعض کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ یہ نقص اگر دور ہو سکتا ہے تو کس طرح؟ میں اس پر ایک لمبے عرصہ تک غور کرتا رہا اور آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ جہاں تک افراد کے ایمان کا سوال ہے ان میں ایمان اور اخلاص موجود ہے مگر حالات ایسے ہیں کہ وہ اپنے ایمانوں کو زیادہ مضبوط نہیں بنا سکے۔ جیسے ماں بھنور میں پھنسی ہوئی ہو اور اُس کا بیٹا غرق ہو رہا ہو تو وہ اُس کی مدد نہ کر سکے گی مگر اس وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ماں کی محبت کم ہو گئی ہے وہ اپنے بچہ کو غرق ہونے سے نہیں بچاتی بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ماں کی محبت تو ویسی ہی ہے مگر حالات ایسے ہیں کہ ماں اپنے بچہ کی مدد کو نہیں پہنچ سکتی۔ اِسی طرح انفرادی طور پر

جماعت کی اکثریت اب بھی مخلصوں کی ہے اور جماعت میں ایسے لوگ موجود ہیں جو چاہتے ہیں کہ وہ احمدیت پر زندہ رہیں اور احمدیت پر ہی مریں لیکن وہ اردگرد کے حالات کی وجہ سے ایسے مجبور ہیں کہ باوجود اس خواہش کے وہ اپنے ارادوں کو تکمیل تک نہیں پہنچا سکتے لاکھوں لاکھ آدمی لاہور میں موجود ہیں جن میں ہماری جماعت کا چند ہزار آدمی پھنس کر رہ گیا ہے اور وہ ایک دوسرے تک پہنچ نہیں سکتا۔ ان کے دلوں میں خواہش ہے کہ وہ اپنے دین میں ترقی کریں مگر مادی سامان وہ اپنے خلاف پاتے ہیں اور اس وجہ سے وہ اپنے ایمانوں سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

پس اب جبکہ میں لاہور سے جا رہا ہوں میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس سکیم کے ماتحت کام کرے جو میں نے اس کے سامنے رکھی ہے۔ میرے نزدیک اگر توجہ کی جائے اور صحیح کوشش اور جدوجہد سے کام لیا جائے تو یہ چیز ناممکن نہیں۔ پیغامی آپ سے کتنے تھوڑے ہیں۔ شاید آپ کے پندرہ آدمیوں کے مقابلہ میں بھی اُن کا ایک آدمی نہیں بلکہ آپ کے بیس آدمیوں کے مقابلہ میں بھی اُن کا ایک آدمی نہیں۔ مگر اُن کا پہلے یہاں ایک اسکول تھا اب انہوں نے دوسرا اسکول جاری کر دیا ہے۔ جب پیغامی دوسرا اسکول جاری کر سکتے ہیں حالانکہ وہ تعداد میں آپ لوگوں سے بہت تھوڑے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر ہمارے آدمی صحیح طور پر قربانی سے کام لیں تو اِس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ زیادہ سے زیادہ سوال جگہ کا ہے۔ سو اس کے متعلق اگر بالا افسروں سے ملاقات کی جائے تو جگہ کا سوال آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پیغامی افسروں سے مل لیتے ہیں اور ہمارے آدمی اُن سے ملنے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ وہ دو چار دفعہ جا کر سلام کرتے ہیں تو افسروں کو شرم آ جاتی ہے اور وہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ فلاں عمارت لے لیں۔ لیکن ہماری جماعت کے دوستوں میں یہ مرض ہے کہ یا تو وہ اپنے ٹائپ کے دوستوں سے ملیں گے یا خالص احمدی افراد سے تعلقات رکھیں گے غیروں سے مل کر ان کی ملاطفت حاصل کرنے کا مادہ ان میں نہیں رہا۔ اور اگر اس عادت سے سلسلہ کو نقصان پہنچتا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس میں تبدیلی نہ کی جائے۔ میں نام نہیں لیتا مگر لاہور کی جماعت میں سات آٹھ آدمی ایسے ہیں جو اپنے پیشہ اور کام اور رسوخ کے لحاظ سے مختلف صیغوں کے افسروں سے یقیناً کام لے سکتے ہیں مگر انہوں نے کبھی تکلیف گوارا نہیں کی کہ سلسلہ کی خاطر اُن لوگوں سے ملیں اور جماعتی مفاد کے لیے کوئی ٹھوس کام کریں۔ ہاں! گپیں ہانکنے والے دوست مل جائیں اور وہ

ان کی مجلس میں آ بیٹھیں یا ان کے لنگوٹیے یار انہیں مل جائیں تو وہ کئی کئی گھنٹے اُن سے لغو باتیں کرنے میں ضائع کر دیں گے اور انہیں کبھی یہ خیال نہیں آئے گا کہ وہ اپنے وقت کو ضائع کر رہے ہیں۔ اگر وہ اپنے وقت کو بجائے گپوں میں ضائع کرنے کے کسی ایسے افسر سے ملنے چلے جائیں جو یہ کام کر سکتا ہو تو سلسلہ کو بھی نفع ہو اور ان کی عاقبت بھی سنور جائے اور آئندہ نسل بھی درست ہو جائے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے میرے نزدیک جماعت لاہور میں کم سے کم سات آٹھ آدمی ایسے ضرور ہیں جن کے لوگ محتاج ہیں اور جن کی طرف کسی نہ کسی وجہ سے لوگ توجہ کرتے ہیں۔ کسی کی طرف پیشہ کے لحاظ سے، کسی کی طرف خاندانی تعلق کے لحاظ سے، کسی کی طرف اس کے رسوخ یا رشتہ داری کے لحاظ سے اور اس طرح وہ ان کی نگاہِ التفات کے بھوکے ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اب بھی میں سمجھتا ہوں کہ ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی جائدادوں میں بہت سی بلڈنگس باقی ہیں جنہیں وہ اپنے لیے حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ ضروری نہیں کہ اسکول کے لیے کوئی اعلیٰ درجہ کی بلڈنگ ہو۔ معمولی بلڈنگ میں بھی اسکول قائم کیا جا سکتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تھوڑا بہت روپیہ خرچ کر کے اسے بڑھایا جا سکتا ہے۔ اور یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ محکمہ تعلیم سے کچا اسکول بنانے کی اجازت لے لی جائے۔ میں نے انہیں مسجد کے لیے زمین کی تحریک کی تھی تو اُس وقت ایک ایجنٹ نے مجھے یقین دلایا تھا کہ زمین مل سکتی ہے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ گورنمنٹ ہندوؤں کی زمینوں کا سودا نہیں کرنے دیتی اس لیے اسکول کے لیے یہ زمین نہیں خریدی جا سکی۔ لیکن انجمن کی کچھ زمین یہاں ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر محکمہ تعلیم سے تعلق پیدا کر کے اسکول کے لیے کچے مکان بنانے کی اجازت لے لی جائے تو دس بارہ ہزار روپیہ میں آسانی سے اسکول بن سکتا ہے صرف اُن سے تعلق پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو فوراً بلڈنگ بنائی جا سکتی ہے اور جہاں ان کی مرضی ہو وہاں وہ اس قسم کی اجازت دے بھی دیتے ہیں۔ گزشتہ دنوں جب ہمارے چنیوٹ کے تعلیم الاسلام ہائی اسکول کا انسپکٹر نے معائنہ کیا تو وہ یہ دیکھ کر کہ کس طرح مہاجر ہو کر انہوں نے اسکول کو ترقی دی ہے اِس قدر متأثر ہوا کہ اُس نے کہا تم اپنے اسکول کا نقشہ بنا کر لے آؤ میں تمہیں کچے مکان بنانے کی اجازت دے دوں گا اور کچا اسکول دس بارہ ہزار روپیہ میں بلکہ پانچ سات ہزار روپیہ میں بھی بن جاتا ہے۔ بعد میں رفتہ رفتہ اسے پختہ بنایا جا سکتا ہے۔ ہمارا

مہمان خانہ جو قادیان میں ہوا کرتا تھا پہلے کچا ہی ہوا کرتا تھا۔ میر محمد اسحاق صاحب چونکہ کام کرنا جانتے تھے اس لیے آہستہ آہستہ انہوں نے اسے پختہ بنانا شروع کر دیا۔ ہر دفعہ جب کوئی مالدار مہمان آ کر ٹھہرتا تو وہ اس کی خوب خاطر تواضع کرتے اور پھر کہتے کہ ہمارا مہمان خانہ کچا ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے آپ اس کی ایک دیوار پختہ بنا دیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب عطا فرمائے گا۔ اس طرح کبھی کوئی حصہ پکا بنوا لیتے اور کبھی کوئی۔ یہاں تک کہ سارا مہمان خانہ پختہ عمارت کا تعمیر ہو گیا۔ اگر کام کرنے کی روح پیدا ہو جائے تو انسان خود بخود کئی راستے نکال لیتا ہے۔

میں نے سوچا ہے کہ بغیر اس کے کہ لڑکیوں اور لڑکوں کا یہاں ہائی اسکول قائم ہو ہم اپنی آئندہ نسلوں کو صحیح طور پر احمدیت کے رنگ میں رنگین نہیں کر سکتے۔ اس غرض کے لیے بعض عارضی انتظامات بھی ہو سکتے ہیں جیسے میں نے کہا تھا کہ سیکرٹری تنخواہ دار رکھو، دفتری انتظامات کو بہتر بناؤ، تین چار دیہاتی مبلغ اَور منگوا لو جو تحصیلِ چندہ کے کام میں بھی مدد دیں اور جماعت کی تربیت بھی کریں۔ مگر یہ سب عارضی چیزیں ہیں۔ مستقل چیز یہی ہے کہ آئندہ پَود کی احمدیت کے ماحول میں پرورش کی جائے جس کا بہترین طریق یہی ہے کہ اپنے ہائی اسکول قائم کیے جائیں لڑکوں کے لیے الگ اور لڑکیوں کے لیے الگ۔ اس سے نہ صرف ہماری آئندہ نسل کو ایک اچھا ماحول میسر آ جائے گا بلکہ بیس پچیس فیصدی غیر احمدی بھی ہمارے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آ جایا کریں گے جن میں سے تیس چالیس فیصدی ضرور احمدی ہو جائیں گے۔ بلکہ میرے نزدیک تو لاہور جیسے شہر میں ایک دوسرے کالج کی بھی ضرورت ہے۔ ہمارا کالج اگر ربوہ چلا جائے تو ضرورت ہو گی کہ اس جگہ ہمارا ایک اَور کالج ہو کیونکہ وہ نوجوان جو اِن کالجوں میں تعلیم حاصل کریں گے وہی ہوں گے جنہوں نے کل چوٹی کے عُہدوں پر کام کرنا ہے۔ اگر وہ ہمارے کالج میں پڑھ کر اعلیٰ عُہدوں پر فائز ہوں پھر تو ہمارے لیے مختلف مواقع پر اُن کے ذریعہ بہت سی سہولتیں میسر آ سکیں گی۔ قادیان میں جب ہمارا تعلیم الاسلام اسکول تھا تو اُس میں بھی کئی غیر احمدی تعلیم پاتے تھے جنہوں نے بعد میں بعض مواقع پر ہماری امداد بھی کی ہے۔ سندھ میں سلسلہ کی ایک زمین تھی جو کسی سے اِجارہ پر لی گئی تھی۔ بعض نے اس کے متعلق شرارتیں شروع کر دیں اور ضمانت کا سوال پیدا ہو گیا۔ اُس وقت ایک افسر جو یوں تو دینی لحاظ سے سلسلہ کا مخالف تھا مگر اُس نے قادیان میں رہ کر تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کو ہمارے احمدی دوست جا کر ملے اور حقیقت بیان کی

تو اُس نے فوراً ایک زمیندار کو تیار کرا دیا جس نے ضمانت دے دی اور اس طرح ہماری ضرورت پوری ہوگئی۔ یہ کام اُس نے محض اس لیے کیا کہ اس نے ہمارے اسکول میں تعلیم حاصل کی تھی۔ پس اگر یہاں ایک دوسرا کالج قائم ہو جائے اور لڑکوں کا ہائی اسکول بھی بن جائے تو یہ لازمی بات ہے کہ بیس فیصدی غیر احمدی بھی پڑھنے کے لیے آئیں گے اور وہ جماعت کے اثر اور اس کے نفوذ کو بڑھا دیں گے اور بعض اچھے اچھے خاندان جن سے اب تعلق پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ان میں احمدیت پہنچ جائے گی۔ جیسے میں نے بتایا ہے کہ ایک غیر احمدی رئیس کے چچا کا بیٹا لاہور میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آیا۔ کسی نے اُسے کہا کہ تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ داخل ہوا اور اُس پر آہستہ آہستہ احمدیت کا اثر ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ احمدیت میں داخل ہونے کے لیے میرے پاس آ گیا۔

پس میں ایک دفعہ پھر جماعت کو اس اہم امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اگلا جمعہ تو غالباً میں یہاں نہیں پڑھاؤں گا بلکہ یقین کی حد تک یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اگلا جمعہ اِنْشَاءَ اللّٰہُ ربوہ میں ہی پڑھایا جائے گا سوائے اس کے کہ اُمِ متین کی بیماری کی وجہ سے کوئی خاص روک پیدا ہو جائے لیکن اگلے سے اگلے جمعہ کے متعلق امکان ہے کہ میں یہاں پڑھاؤں۔ اور گو میرا لاہور میں آنا منع نہیں لیکن پھر بھی یہاں کی مستقل رہائش اَب ختم ہو چکی ہے۔ اس لیے جاتے ہوئے میں جماعت کو پھر اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اس موقع کو جانے نہ دو اور اس میں ہرگز کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہ لو۔ اس میں ہم جتنی کوتاہی کریں گے اُتنا ہی ہم اپنی اولادوں پر ظلم کریں گے اور ان کو احمدیت سے دُور کر دیں گے"۔

(الفضل 27 ستمبر 1949ء)

---

1 : التوبۃ:119

2 : ٹاہلی: شیشم کا درخت (اردو لغت جلد 6 صفحہ 34 مطبوعہ کراچی 1984ء)